اسلامی نظامِ معیشت اور سرمایہ دارانہ نظام میں تقسیمِ دولت کے اصولوں کا نظریاتی مطالعہ

An Ideological Study Of The Distribution Of Wealth In The Islamic System Of Economics And That Of Capitalism

کاظم حسین*

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری**

ABSTRACT

Evils emanating from man designed economic system have existed from time immoral, the sufferings of which are being experienced by the individual as well as society and it is turning peoples to become radical today. Equality of opportunity no longer exists. Are we all running a losing race?

Nature has far more provided to cater to each one's requirements and needs but with the devilish acts of few, this very same Divine Blessing gets abused in the form of unequal distribution. Such unfair practices makes man to hoard more and even more, and with the high rise population there's seen an ever increase in man's greed too. Such uncontrolled liberty and unbridled power needs an emergency check. Clearly all this calls for eradication of the existing economic system.

Islamic norms ensure that the principle for factor pricing is based on justice and fairness. Islamic Economic System is a swift solution in safeguarding the interests of an individual and the society as a whole. One man's meat can never be another man's poison, are those values which an Islamic Economic System offers. Through this Article on Accumulation of wealth to pursue private motives and self-interest a growing realization of appreciating all what this Fair Islamic System has to offer can be logically recognized.

---

* پی ایچ ڈی سکالر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

** ایسوسی ایٹ پروفیسر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

معاشی و اقتصادی مسائل ہمیشہ سے انسانی معاشرے کو درپیش رہے ہیں۔ تاریخی مستندات کے مطابق انسان کے معاشی و اقتصادی مسائل بالخصوص غربت و افلاس اور تنگ دستی و محتاجی کی وجہ وسائل و ذرائع کی عدم دستیابی یا کم یابی نہیں، بلکہ اس کا تعلق وسائل کی غیر عادلانہ اور غیر منصفانہ تقسیم سے ہے جس کی وجہ سے یہ مسئلہ پیدا ہوا اور روز بروز شدید تر ہوتا گیا۔ تاریخ انسانی کے مطابق اقتصادی مسائل و مشکلات کی وجہ وسائل و ذرائع کو ہتھیا لینے کے لیے ابتدائی طور پر سامنے آنے والی لڑائی جھگڑے، رنجشیں اور اختلافات ہیں، جن میں انسانی آبادی بڑھنے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا گیا اور انسان کی معاشی و اقتصادی پریشانیاں اور ان سے مربوط مسائل بھی بڑھتے گئے۔

دولت کی تقسیم کے بارے میں انسانیت ہر دور میں کسی نہ کسی مشکل میں گرفتار رہی ہے۔ کبھی افراد کی بنیاد پر تقسیم ہوئی، کبھی اجتماع کے نام پر تقسیم ہوئی، اس کے برعکس اسلام نے تقسیم کا ایک ایسا عادلانہ انداز اختیار کیا جہاں فرد و اجتماع دونوں کے حقوق کی رعایت ہو۔ نہ فرد کے خواہشات کے درمیان حائل ہوا جائے اور نہ اجتماع کی کرامت و اہمیت کا انکار ہو اور اس طرح تقسیم کے جملہ طریقوں سے امتیاز پیدا ہو۔[1]

ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کے وہ معاشی اصول جو غربت و افلاس اور تنگدستی و محتاجی جیسے مسائل کے محاذ پر لڑنے کے لیے پوری انسانیت کے کام آسکتے ہیں، ان تمام اقتصادی اصولوں سے لوگوں کو صحیح معنوں میں روشناس کرایا جائے تاکہ نہ صرف اسلامی معاشرے بلکہ دیگر اقتصادی مکاتب فکر بھی فقر و غربت اور اس کی وجہ سے پیدا ہونے والے مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے ان سے استفادہ کر سکیں۔ چنانچہ اس پسِ منظر کو سامنے رکھتے ہوئے، اس تحقیقی کاوش میں، مسئلہ ارتکازِ دولت سے نبرد آزما ہونے کے لیے اسلام کی معاشی تعلیمات کی روشنی میں لائحہ عمل پر سیر حاصل بات کی گئی ہے۔

1۔ عواملِ پیداوار اور ان میں تقسیم دولت کا طریقہ کار

1۔1: سرمایہ دارانہ نظام میں عوامل پیداوار اور ان میں تقسیمِ دولت کا طریقہ کار

سرمایہ داری ایک ایسا نظامِ معیشت اور آڈیالوجی ہے جس کی بنیاد ذرائع پیداوار اور وسائلِ معیشت کی نجی ملکیت پر ہوتی ہے اور جس میں تمام سرمائے کے مالک افراد یا نجی کمپنیز ہوتی ہیں۔ اس نظام میں عموماً تمام ذرائع پیداوار افراد کی نجی ملکیت میں ہوتے ہیں، اور پیداواری عمل اور اس کی تقسیم آزاد منڈی یا مارکیٹ کے

اصولوں کے مطابق ہوتی ہے۔[2]

اس نظام میں ذرائع پیدائش عوام کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اور حکومت ان کی نگران و محافظ ہوتی ہے۔ ہر فرد اپنی کمائی کا مالک ہوتا ہے اور کسی دوسرے کا ان پر حق نہیں ہوتا۔ صنعت، زراعت، تجارت، پرائیویٹ اداروں اور اشخاص کی رہین منت ہوتی ہیں۔ تاہم دھاندلیوں، بے قاعدگیوں کو روکنے کے لیے حکومت وقتاً فوقتاً قوانین اور قواعد کا نفاذ کرتی رہتی ہے۔ ہر شخص کو اپنے مال میں کمی بیشی کرنے کا پورا پورا اختیار ہوتا ہے۔ یہ در حقیقت ایسا نظام ہے جس میں سرمایہ پر کنٹرول ملک یا ریاست کی بجائے نجی شعبے کا ہوتا ہے، اور اس شعبہ کو معاشی تعامل میں مکمل آزادی حاصل ہوتی ہے، منافع وغیرہ پر کوئی پابندی نہیں ہوتی، منڈیاں آزاد ہوتی ہیں، طلب و رسد اور مسابقت کا ماحول قیمتوں کا تعین بھی کرتا ہے اور کنٹرول بھی رکھتا ہے۔ مختلف اور متعدد نظام ہائے معیشت پر گہری نظر رکھنے معیشت دانوں کے ایک طبقہ کے نزدیک سرمایہ داری کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے:

"Pure capitalism is defined as a system wherein all of the means of production (physical capital) are privately owned and run by the capitalist class for a profit, while most other people are workers who work for a salary or wage (and who do not own the capital or the product)"[3]

"خالص سرمایہ داری ایک ایسا نظام ہے جہاں تمام ذرائع پیداوار نجی اور ذاتی ملکیتوں میں ہوتے ہیں اور ایک سرمایہ دار طبقے کی دسترس میں ہوتے ہیں اور وہی ان کا استعمال کرتے ہیں۔ جب کہ دوسرے اکثر افراد سرمائے یا پیداوار کے مالک نہیں ہوتے بلکہ مخصوص تنخواہ یا عوض کے بدلے کام کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔"

انسان مختلف وسائل کو کام میں لا کر اپنی محنت سے پیداوار حاصل کرتا ہے، جس کو بعد میں انہی متفرق عاملین پیدائش میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ پیدائشِ دولت کے مرحلے کے بعد ہر ایک عامل کو حاصل شدہ پیداوار میں سے ان کی اپنی حیثیت کے مطابق الگ الگ مقدار اور معیار کے تناسب سے مقرر شدہ حصہ دیا جاتا ہے۔ جس کو تقسیم دولت کا مرحلہ کہا جاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کے مطابق عاملینِ پیداوار چار ہیں۔

- زمین سے مراد قدرتی عاملِ پیدائش ہے کہ جس کے پیدا کرنے میں کسی انسانی عمل کا کوئی عمل دخل نہیں۔ الفرڈ مارشل کے مطابق زمین بنیادی عامل پیدائش ہے جس کے بغیر پیداوار کا امکان ہی نہیں۔ یہ زمین ہی ہے جو کسی بھی کام کے لیے جگہ فراہم کرتی ہے۔[4]

- محنت سے مراد وہ انسانی عمل ہے جس کے ذریعے کوئی نئی پیداوار وجود میں آتی ہے۔
- سرمایہ: سرمایہ سے مراد "پیدا کردہ عامل پیدائش" یعنی (Produced Factor of Production) ہے۔ یعنی کہ سرمایہ وہ عاملِ پیداوار ہے جو قدرتی نہ ہو، بلکہ کسی عملِ پیدائش کے نتیجے میں پیدا ہوا ہو اور اس کے بعد کسی اگلے عملِ پیدائش میں استعمال ہو رہا ہو۔[5]
- آجر سے مراد وہ شخص ہے جو کسی بھی کاروبار کے لیے درکار تمام مقتضیات کو جمع کرتا ہو، اور پھر ان کے استعمال سے کاروبار میں منافع یا نقصان اٹھاتا ہو، آجر کہلاتا ہے۔[6]

سرمایہ دارانہ نظام کے مطابق عاملینِ پیدائش میں پیداوار کی تقسیم کے وقت سرمایہ کو یا تو طے شدہ سود ملے گا یا پھر نقصان اور نفع ہر دو میں حصہ داری ملے گی۔ زمین کو کرایہ جب کہ محنت کا صلہ اجرت قرار پائے گی۔ ان تین عوامل میں ان کا حصہ تقسیم کرنے کے بعد جو بچ جائے گا وہ آجر کو بطور منافع ملے گا۔[7]

عواملِ پیداوار کی تشخیص ہو جانے اور عملِ پیداوار میں ان کا کردار واضح ہو جانے کے بعد تقسیم دولت کے سلسلے کے اہم مرحلے کا آغاز ہوتا ہے کہ تقسیم کا معیار کیا ہونا چاہیے؟ اور آمدنی میں عامل کے حصے کا تعین کس طرح اور کس بنیاد پر کیا جائے گا؟

اس سوال کا جواب ابتدائی یا کلاسیکل ماہرین معاشیات کی نظریات میں انتہائی مبہم الفاظ میں ملتا ہے، جیسا کہ ایڈم سمتھ کے مطابق "کل پیداوار عواملِ پیداوار کے درمیان قدرتی طور تقسیم ہو جاتی ہے"، اور اسٹیورٹ مل کے مطابق "کل پیداوار خود اپنے آپ کو خود کارانہ انداز میں تقسیم کر لیتی ہے"[8] لیکن ظاہر ہے یہ دونوں باتیں اس قدر مبہم ہیں کہ ان سے کوئی نتیجہ اخذ کرنا ممکن نہیں۔

ابتدائی طور پر تقسیم کنندہ کی ذمہ داری آجر ادا کرتا ہے، یہ اس کے ذمہ ہوتا ہے کہ وہ یہ اندازہ کرے کہ وہ کون سی چیز کتنی مقدار اور کس قیمت میں بیچ سکتا ہے۔ اسی بنیاد پر وہ پیداوار کی پیدائش کی منصوبہ بندی کرتا ہے، اور عاملینِ پیدائش کو کم سے کم لاگت پر اپنے لیے فراہم کرتا ہے، پیداوار کے حصول کے بعد ممکنہ طور پر اس کو اس جنس کے لیے جو قیمت فروخت ملنا متوقع ہوتی ہے اس سے وہ زمین کے مالک کو لگان، محنت کو اجرت، اور سرمائے کو سود کے طور پر معاوضہ ادا کرتا ہے، باقی بچ جانے والے رقم اس کا منافع ہوتی ہے۔ لیکن اگر اس جنس کی قیمت فروخت، عاملین کو ادا کیے گئے معاوضے سے کم ہو تو اس جنس کی قیمت فروخت اور عاملین کے معاوضے

میں جو فرق ہو گا وہ اس کا خسارہ یا نقصان ہو گا۔[9] لیکن موجودہ دور میں یہ کام تقریباً ملٹی نیشنل کمپنوں نے سنبھال لیا ہے جو اپنے ایک خاص اور پیچیدہ طریقہ کار کے مطابق ان امور کی منصوبہ بندی کرتی ہیں۔

تقسیم کنندہ کی ذمہ داری چاہے آجر ادا کر رہا ہو یا کمپنی، ہر دو صورت میں جدید معیشت میں عاملین پیدائش کو دیے جانے والے معاوضے کا تعین بھی اشیاء کی قیمتوں کی طرح طلب و رسد کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ عاملین پیداوار کی طلب کا انحصار ان کی مختتم پیداوار(Marginal Productivity) پر جب کہ رسد کا انحصار قیمتِ رسد پر ہوتا ہے۔[10] اور پھر ہر ایک عامل کی قیمت کا تعین کم سے کم اور بلند ترین حدود کے مابین طلب و رسد کی قوتوں کے باہمی عمل و ردِ عمل کی مدد سے ہوتا ہے۔ آجر مقابلے کی وجہ سے کوشش کرتا ہے کہ اس کی پیداواری لاگت کم سے کم ہو، لہٰذا اس مقصد کی تکمیل کے لیے وہ عاملین پیدائش کو اس تناسب سے استعمال کرتا ہے کہ جس کے ذریعے ان پر آنے والی لاگت کم سے کم ہو۔

اگرچہ سرمایہ دارانہ نظام میں آجر اور دیگر عوامل پیدائش میں پیداوار تقسیم کرنے کے مسئلے میں معیار طے کرنے کے معاملے کو محنت کش اور آجر پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ جس تناسب سے چاہیں ہے معاملہ طے کر لیں۔ لیکن عملاً اس نظام میں جو کچھ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اجرت اور تقسیمِ پیداوار کا مسئلہ سرمایہ دار اور محنت کش دونوں کی مرضی سے نہیں بلکہ صرف سرمایہ دار ہی کی مرضی سے طے ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ بھی طے کرتا ہے محنت کش اپنی مجبوری اور بے بسی کی وجہ سے اس کو مان لیتا ہے کیونکہ سرمایہ دار مستغنی و بے نیاز ہے اور محنت کش محتاج و ضرورت مند ہوتا ہے۔ ان حالات میں سرمایہ دار ہمیشہ یہ کوشش کرتا ہے کہ خود زیادہ سے زیادہ لے اور محنت کش کو کم سے کم دے۔[11]

اس پورے عمل میں دو طبقات کی حکمرانیہو۔ پہلا طبقہ صارفین کا اور دوسرا طبقہ آجر یا پیداکار کا، انہی کے فیصلوں سے وسائل کی تفویض عمل میں آتی ہے اور یہی دو طبقے اس پورے نظام کو کنٹرول کرتے ہیں۔[12]

1.2: اسلام میں عوامل پیداوار اور ان میں تقسیمِ دولت کا طریقہ کار

اسلامی معاشی قوانین میں دولت کی تقسیم کا عمل، پیدائشِ دولت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ دولت کی ابتدائی تقسیم اس کی پیداوار میں عمل دخل رکھنے والے عوامل سے شروع ہوتی ہے اور پھر یہ مرحلہ وار آگے بڑھتی رہتی ہے، اسلامی معاشیات کے مطابق عواملِ پیداوار تین ہیں[13]۔

1. محنت: ایسی فکری یا جسمانی مشقت و کوشش جس کا مقصد دولت و منفعت کا حصول ہو یا جس کے ذریعے کوئی نئی پیداوار وجود میں آتی ہو۔
2. سرمایہ: سرمائے سے مراد وہ چیزیں ہیں جن سے دولت کمائی جاتی ہو، یا ایسا خام مال یا نقدی جو کرنسی نوٹ یا سونے چاندی کی شکل میں موجود ہو۔ سرمایہ ایک ایسا عامل ہے جو خود کسی پیداواری عمل سے گزر کر وجود میں آیا ہے اور مزید پیداوار کے لیے استعمال ہو رہا ہے۔ اس میں تمام مشینری، آلات، عمارت، خام مال وغیرہ شامل ہے۔ اسلام کے نزدیک نقدی اور روپیہ پیسہ دولت کے معنوں میں تو سرمایہ ہے مگر پیداواری عمل میں اس کو عاملِ پیدائش صرف اسی وقت شمار کیا جائے گا جب وہ entrepreneur کا کردار بھی ادا کرے اور نفع کے استحقاق کے ساتھ ساتھ نقصان کا ذمہ دار بھی بنے۔[14]
3. زمین (یا پھر اوزار و آلات): اس سے مراد وہ آلات ہوتے ہیں جو دولت کا موجب بنتے ہیں، خواہ وہ ایسی چیزیں ہوں جن پر کسی کی محنت صرف ہوئی ہو جیسے مشینری یا وہ چیزیں ہوں جن پر کسی کی محنت نہ صرف ہوئی ہو جیسے زمین پانی وغیرہ

اسلامی معیشت کے مطابق یہ تینوں عوامل، دولت کی پیدائش کا منبع ہیں جن کے بغیر پیداوار کا حصول ممکن نہیں ہے۔ ان تین عوامل کے مشترکہ عمل سے جو مشترکہ پیداوار ہو گی اس کا ایک حصہ سرمایہ دار کو منافع شکل میں[15]، دوسرا حصہ زمین (یا اس کے ضمن میں شمار کی جانے والی اشیاء جیسا کہ آلات و اوزار وغیرہ) کرایہ کی صورت میں اور تیسرا حصہ محنت[16] کو اجرت کے طور پر ملے گا جس میں جسمانی محنت، ذہنی و فکری محنت نیز و تنظیم و منصوبہ بندی سب شامل ہیں۔[17]

حاصل شدہ پیدوار میں سے ہر عامل کے حصے کا تعین کس طرح اور کیا جائے گا؟ اسلام نے اس مسئلے میں نہ صرف ہر طرح کی اجارہ داریوں کا سدباب کیا ہے بلکہ محنت کش کے استحصال کو بھی روکا ہے۔ اسلامی اقتصادی تعلیمات میں اس بات کی اجازت ہے اور نہ ہی گنجائش کہ محنت کش کی غربت اور مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کو کام پر لگا کر جو اجرت چاہیں ادا کر دیں، نہ ہی اس بات کا امکان رہنے دیا گیا ہے کہ جنس کو بازار میں جانے دیا جائے بعد میں وہاں پھر صارف کی دلچسپی یا عدم دلچسپی کو مد نظر رکھتے ہوئے قانون طلب و رسد محنت کش کی اجرت کا تعین کرتے پھریں، بلکہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ مزدور کو اجرت پر لگانے سے پہلے

اس کی اجرت کا تعین کیا جائے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:" إِذَا اسْتَأْجَرْتَ أَجِيرًا فَأَعْلِمْهُ أَجْرَهُ"[18] "جب تم کسی سے اجرت پر کام کراؤ تو اس کی اجرت (کام سے) پہلے اس کو بتاؤ۔"

اسلام نے محنت کش کی اجرت کام سے پہلے تعین کر کے بروقت ادائیگی کا حکم بھی دیا۔ نبی رحمت ﷺ نے محنت کش کی اجرت کی ادائیگی میں تاخیر کو روکتے ہوئے فرمایا:" مطل الغني ظلم"[19]

"مالدار اور غنی شخص کا حق کی ادائیگی میں تاخیر کرنا ظلم ہے۔"

اور محنت کش کو اس کی محنت کا حق فوراً ادا کرنے کا حکم دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:" أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ"[20] "مزدور کو اس کا حق اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔"

اسلام محنت کش اور مزدور کی اجرت کا تعین بازار، منڈی اور طلب و رسد کی ظالم قوتوں کے سپرد کرنے کی بجائے عملِ پیدائش میں عاملین پیداوار کے کام کی نوعیت کو جانچنے اور پیداوار کے حصول میں کسی بھی عامل کی شرکت کے تناسب کے مطابق اس کو اجرت ادا کرنے کا قائل ہے۔ اسلامی معاشی اصولوں میں اس بات کو آجر یا پیداکار کا فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ مزدور و محنت کش سے جس قدر کام کرواتا ہے، اس محنت کے حساب سے اس کا مکمل معاوضہ ادا کرے۔ پورا معاوضہ ادا نہ کرنے کی صورت میں وہ خدا کے غیض و غضب کا شکار ہو گا۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:"قَالَ اللَّهُ: ثَلاَثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ القِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِ أَجْرَهُ"[21]

" اللہ بزرگ و برتر نے فرمایا: تین لوگ ایسے ہیں کہ قیامت کے دن میں ان کا فریق مخالف بنوں گا، پہلا وہ شخص جو میرے نام کی قسم کھا کر توڑ دے، دوسرا وہ شخص جو کسی آزاد انسان کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھا جائے، تیسرا وہ شخص جو کسی مزدور کو مزدوری پر رکھے اور کام تو پورا لے لیکن اس کی پوری مزدوری ادا نہ کرے۔"

لہذا اسلام کے معاشی اصولوں کے مطابق پیداوار میں سے ہر ایک کو اس کے کام اور حصے کے مطابق اس کی محنت کا مکمل معاوضہ ملے گا۔

2۔ ارتکازِ دولت اور اس کا سدباب

کسی قوم کی اقتصادی حالت اس وقت بہتر ہو سکتی ہے جب قوم کے تمام افراد کو ضروریات زندگی میسر ہوں

اور کوئی فرد ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ ہو۔ اگر چند افراد کے پاس تو دولت کے انبار ہوں اور اکثر ضروریاتِ زندگی سے محروم ہوں تو یہ قومی حیثیت سے اقتصادی انحطاط ہے ۔

دولت اجتماعی زندگی کے لیے ایسے ہے جیسے خون انسانی زندگی کے لیے۔ اگر بدن سے حاصل شدہ خون کسی ایک عضو میں بند ہو جائے تو باقی اعضاء کی نشوونما کے لیے کیا بچے گا؟ اور ایسی صورت میں ان کا کیا حال ہو گا؟ اسی طرح انسانیت بھی ایک وجود کی مانند ہے اور مختلف طبقات اس کے اعضاء کے مانند ہیں۔ اگر ایک طبقہ انسانی رزق کے وسائل پر قابض ہو تو باقی طبقات کی محرومی یقینی ہو جاتی ہے۔

2.1: سرمایہ داری اور ارتکازِ دولت کا مسئلہ

اٹھارویں صدی عیسوی میں مشینری کی ایجاد نے جدید سرمایہ داری نظام میں جس صنعتی انقلاب کو جنم دیا۔ تجارت سرمایہ دار کے ہاتھ آگئی۔ چھوٹے تاجر ختم ہو گئے اور لوگ بڑے شہروں میں سرمایہ داروں کے گرد مزدوری کے لیے جمع ہونے لگے۔ چھوٹی صنعتوں کاریگروں کے لیے زندگی مشکل ہونے لگی اور مستقلاً دو طبقے وجود میں آگئے۔ ایک طرف سرمایہ دار اور دوسری طرف ہنر مند ۔

پارلیمنٹ میں جاگیرداروں کے مفادات کے تحفظ کرنے کے لیے نجی ملکیت کے قوانین بنائے گئے، اس کی وجہ پارلیمنٹ پر سرمایہ دار جاگیرداروں کا گٹھ جوڑ ہے جو آج تک جاری ہے۔[22]

سرمایہ دارانہ نظام میں اقتصادی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ معاشی میدان میں ہر شخص کو مکمل طور پر آزاد رکھا جائے، کسی پر پابندی نہ لگائی جائے، ملک کا ہر باشندہ ان اختیارات کا حامل ہو کہ وہ چیزوں کو اپنی ملکیت بنا سکے، چاہے اس کا مقصد صرف کرنا ہو یا پیداوار بڑھانا ہو، وہ اس کو تباہ و برباد کر دے یا بیلنس بڑھا لے۔ جو چیز چاہے، جس طرح چاہے، جس مقصد کے لیے چاہے، اور جس انداز میں چاہے اپنی ثروت میں اضافہ کرے۔[23]

معاشرے میں دولت کے ارتکاز اور معیشت میں توازن نہ ہونے کی وجہ سے مزید دولت کمانے کے مواقع انہی لوگوں کو میسر ہے جن کے پاس پہلے سے دولت کی ریل پیل ہے، جب کمزور طبقہ سرمایہ کاری کے تمام مواقع سے محروم ہی رہتے ہیں۔ آئی ایم ایف کے مطابق اقتصاد میں عدم توازن کی موجودہ سطح ناقابلِ یقین حد تک معیشت کے لیے نقصان دہ اور خطرناک ثابت ہو رہی ہے۔ جو تباہ کن اثرات کا سبب بن رہی ہے۔[24]

ایڈم سمتھ کے نزدیک موجودہ دنیا کے تمام بڑے بڑے معاشی مسائل "غربت و افلاس اور محرومی و

احتیاجی "وغیرہ اقتصادی عدم مساوات کا نتیجہ ہیں ۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

"Wherever there is great property there is great inequality. For one very rich man there must be at least five hundred poor, and the affluence of the few supposes the indigence of the many."[25]

"جہاں کہیں بھی مال و ثروت زیادہ ہوتا ہے وہیں عدم مساوات کے مواقع و مسائل زیادہ ہوتے ہیں۔ ایک امیر شخص کے مقابلے میں کم از کم پانچ سو غریب اور فقراء ضرور ہونے چاہییں۔ دولت کا چند افراد کی طرف ہوتا ہوا بہاؤ اور انہی افراد کے پاس دولت کی کثرت، اکثریت کے لیے تنگدستی، ناداری اور تہی دستی کا سبب بنتا ہے۔"

ایڈم سمتھ کا خیال ہے کہ غربت کی شخصیت میں جس چیز کی کمی ہے اور جو چیز ان کو معاشرے کے باقی لوگوں سے الگ اور تنہا کر دیتی ہے وہ خواہشات یا Aspirations ہیں۔ چنانچہ Adam Smith ہی کا مشہور جملہ ہے کہ: "The real tragedy of the poor is the poverty of their aspirations"[26]

"غریبوں کا حقیقی سانحہ ان کی خواہشات کی غربت ہے۔"

غربت اور دولت لامحالہ ایک دوسرے سے مربوط ہیں، چارلس ڈکن کے مطابق قومی دولت غربت کی وجہ بھی ہے اور معاشرے کو غربت سے نکالنے کا ذریعہ بھی[27]۔ وہ اس طرح سے اگر قومی وسائل سے پیدا شدہ دولت ارتکاز سے روکنے کے قوانین لاگو نہ کیے جائیں تو یہی دولت معاشرے میں غربت کے لیے مقدمہ بن جائے گی۔ اور اگر اسی دولت کو ضابطے کے مطابق اس کی تقسیم کر لیا جائے تو یہ غربت و افلاس اور تنگدستی کو ہمیشہ کے لیے معاشرے سے دور کر دے گی۔ شمس الحق افغانی لکھتے ہیں:

"سرمایہ دارانہ نظام کا یہ خاصہ ہے کہ وہ دولت کو چند افراد یا خاندانوں میں محدود رکھتا ہے، جس کو وہ افراط کے ساتھ شیطانی اور مسرفانہ اخراجات میں صرف کر دینے کے باوجود ختم نہیں کر سکتے، اور قوم کی باقی اکثریت مفلوک الحال ہوتی ہے۔ غربت و افلاس کا دائرہ اس نظام کی وسعت کے انداز پر ہو گا۔ سرمایہ دارانہ نظامِ دولت ایک جونک کی طرح ہے جہاں اس کا اثر پہنچا وہاں اس نے دولت کا خون چوس لیا۔"[28]

گزشتہ چند دہائیوں سے سرمایہ دارانہ نظام کے زیر اثر دولت کا توازن خطرناک حد تک بڑھ چکا ہے اور دن بدن اس میں ہوشربا اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ امریکہ میں قومی آمدن کا وہ حصہ جو امیر ترین ایک فیصد افراد کے حصے

میں جارہا ہے وہ جو کہ 1980 سے پہلے دس فیصد تھا اب بڑھ کے بیس فیصد ہو چکا ہے۔[29] صرف امریکہ یا امیر ممالک کی ہی بات نہیں بلکہ گزشتہ تیس سالوں میں دنیا بھر کے امیر افراد کی آمدن اور اثاثوں میں ناقابل یقین حد تک اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔[30] چین کے دس فیصد افراد مجموعی آمدن کی ساٹھ فیصد دولت کا مالک ہے، بلکہ چین میں عدم توازن کی صورتحال اب افریقہ کے ممالک کی طرح ابتر ہے جو کہ دنیا میں مالی اعتبار سے سب سے زیادہ غیر متوازن خطہ ہے[31]۔

دولت کے غیر معمولی عدم توازن کے اعداد و شمار اگرچہ دنیا کی مجموعی معاشی صورتحال کا خطرناک منظر پیش کر رہے ہیں، لیکن اس سے بھی زیادہ خطرناک صورتحال یہ ہے ان اعداد و شمار میں وہ دولت موجود نہیں جو آف شور دولت یا چھپائی گئی دولت کہلاتی ہے، جس کو دنیا میں موجود Tax Havens میں چھپایا جاتا ہے۔ اگر اس دولت کے اعداد و شمار بھی مل جائیں جو کہ آف شور ہے تو حقیقی صورتحال اس سے بھی بدتر اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی ہے۔

سوئٹزرلینڈ کے مرکزی بینک، جو کہ غیر اعلانیہ دولت کا ایک اہم مرکز تصور کیا جاتا ہے، کی طرف سے شائع کردہ براہ راست اعداد و شمار کا استعمال کرتے ہوئے اور ممالک کی بین الاقوامی سرمایہ کاری میں پائی جانے والی بے قاعدگیوں کو دیکھتے ہوئے American Economic Journal کی 2014 میں چھپنے والی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ دنیا بھر میں انفرادی اور نجی طور پر استعمال ہونے والی دولت کا 8 فیصد حصہ جو کہ عالمی جی ڈی پی کا 10 فیصد بنتا ہے آف شور یا غیر اعلانیہ رکھی گئی دولت کا حصہ ہے[32]، جس کا مطلب یہ ہوا کہ 2007 میں جب دنیا شدید معاشی بحران میں مبتلا تھی اس وقت 7.3 ٹریلین ڈالر دولت آف شور یا غیر اعلانیہ تھی۔[33]

دولت کا صرف ایک طبقے کی طرف بہاؤ دوسرے طبقے کے ہر شعبہ حیات کو متاثر کر رہا ہے جس سے افراد ہی نہیں بلکہ حکومتیں بھی متاثر ہوتی ہیں۔ ان حالات میں سرمایہ دارانہ نظام ارتکاز دولت کی خاموش حوصلہ افزائی کرتا ہے اور پشت پناہی بھی، یا کم از کم اس مسئلے میں خاموش ضرور ہے اور اس کی خاموشی بھی تائید سمجھی جائے گی۔ غیر متوازن طور پر چند لوگوں کے ہاتھ میں جمع ہو جانے والا مال اور دولت غیر مساوی معاشرے کے نظام حکومت اور جمہوریت کے لیے بھی خطرہ ہیں۔ پیسے کی اس طاقت کو سیاست دانوں کی لابیاں بنانے، سیاسی عمل کو خراب کرنے اور جمہوری فیصلہ سازی کو خریدنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ

حال ہی میں ایسے بہت سارے معاملات کی نشاندہی ہوتی رہی ہے کہ جس میں پیسے کے زور پر ممالک اور اقوام کے فیصلے اپنی مرضی کے مطابق بدلے جاتے ہیں۔[34]

دقت نظر سے دیکھا جائے تو سرمایہ دارانہ نظام کی ناکامی فقط پیدائشِ دولت کے مرحلے میں نہیں ہے بلکہ یہ دولت کی منصفانہ تقسیم اور اس سے مربوط ایسا نظام بنانے میں بھی ہے جو دولت کے ارتکاز کو روک کر امیر کو امیر تر اور غریب کو مزید غریب ہونے سے روکے۔ لیکن عملاً مال و دولت کا انجماد و ارتکاز خطرناک حدوں کو چھو رہا ہے۔

2.2: اسلامی معیشت میں ارتکازِ دولت کا مسئلہ

اسلام دولت کی منصفانہ تقسیم کے لیے ارتکاز دولت کے تمام ذرائع کا نہ صرف سد باب کرتا ہے بلکہ سخت معیوب سمجھتا ہے۔ اسلام مال کے ذخیرے کی بجائے اس کی تقسیم کا داعی ہے کہ جس کے سبب معاشرے کی بھلائی کے امور انجام پاتے ہیں۔

اسلامی نکتہ نظر میں انسانی خواہشات کی تقسیم تین طرح سے ہے:

i. ضروریات (Necessities): وہ اشیاء جن کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا، جیسے قوت لایموت کہ جس سے انسان ہلاک ہونے سے بچتا ہے اور وہ چیزیں جن سے انسان گرمی، سردی اور بیماری سے اپنا بچاؤ کرتا ہے۔

ii. سہولیات (Comforts): وہ چیزیں جن کے بغیر انسان مشقت سے زندہ تو رہ سکتا ہو جیسے مکان، لباس اور انسانی زندگی کی حفاظتی تدابیر وغیرہ۔

iii. تعیشات (Luxuries): وہ چیزیں جو نہ لوازماتِ زندگی ہیں نہ انسان ان کا محتاج ہے، اسلام، ضروریات اور سہولیات کو حاصل کرنے کا قائل ہے لیکن عیش پرستی سے روکتا ہے۔ کیونکہ یہ معاشروں کو تباہی کی طرف دھکیل دیتے ہیں۔ عیش پرستی کے نتائج کے حوالے سے ارشادِ قدرت ہے:

"وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا"[35]

"اور جب ہمارا ارادہ کسی بستی کے ہلاک کرنے کا ہوا تو وہاں کے آسودہ لوگوں کو (فواحش پر) مامور کر دیا تو وہ نافرمانیاں کرتے رہے۔ پھر اس پر (عذاب کا) حکم ثابت ہو گیا۔ اور ہم نے اسے ہلاک کر ڈالا۔"

محمد آصف محسنی لکھتے ہیں: "وہ چیزیں جو نہ لوازمات زندگی ہیں نہ انسان ان کا محتاج ہے اور جنہیں اشیائے تعیش کہا جاتا ہے ان کو اگر ہم اپنی زندگی سے ہٹا دیں یا کم از کم ان میں تخفیف کر دیں تو اقتصاد کا خطرہ کلیتاً ٹل جاتا ہے"۔[36]

اسلام نے سامانِ تعیش سے اجتناب کرنے کا حکم دے رکھا ہے تا کہ کوئی اس زندگی میں دل لگا کر اصل مقصد و ہدف کو فراموش نہ کر دے، چنانچہ ایک دفعہ رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے کمرے میں پردے لٹکا دیے گئے تو آپؐ نے انہیں اتارنے کا حکم دیا اور فرمایا:" إن الله لم يأمرنا أن نكسوا الحجارة والطين"[37]

"اللہ نے ہمیں حکم نہیں دیا کہ ہم پتھر اور مٹی کو لباس پہنائیں۔"

اسلام نے تعیشات کے تمام دروازے اپنے ماننے والوں پر ہمیشہ کے لیے بند رکھے ہیں۔ حدیثِ نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ہے:"اياك والتنعم، فان عباد الله ليسوا بالمتنعمين"[38]

"خبردار! عیش پرستی سے اجتناب کرنا، کیونکہ اللہ کے بندے عیش پرست نہیں ہوتے۔"

حضرت عمر نے اپنے دور حکومت میں اپنے آذربائیجان کے والی عتبہ ابن فرقد کو عیش پرستی سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے ایک خط میں لکھا کہ:" عليكم بلباس ابيكم اسماعيل،واياكم والتنعم"[39]

"اپنے باپ اسماعیل کا لباس پہنو (یعنی سادگی اپناؤ)، اور خبردار! عیش پرستی میں مت پڑنا۔"

شاہ ولی اللہ رقمطراز ہیں کہ" انسان کامال، مویشی اور فرنیچر کے پیچھے پڑ جانا عیش پرستی ہے۔ رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا تھا کہ کسی بھی گھر میں ایک بستر مرد کے لیے، دوسرا اس کی بیوی کے لیے، تیسرا مہمان کے لیے اور چوتھا شیطان کے لیے ہے"۔[40]

اسلامی اخلاقی تعلیمات کے مطابق کسی بھی معاشرے کے ضرورت مند لوگوں کی ذمہ داری اس معاشرے کے امراء اور صاحب حیثیت افراد پر عائد ہوتی ہے۔ اگر یہ لوگ اسلام کے عائد کردہ مالی واجبات کی باقاعدگی سے ادائیگی کریں اور عیش پرستی سے اجتناب کریں تو معاشرے میں فقر و افلاس ناپید ہو جائے۔ رسول اکرمؐ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا:

"إن الله عزّ وجلّ فرض للفقراء في مال الأغنياء ما يسعهم ، ولو علم أن ذلك لا يسعهم لزادهم، إنهم لم يؤتوا من قبل فريضة الله عزّ وجلّ ، ولكن اوتوا من منع من منعهم

حقهم ، لا مما فرض الله لهم ، ولو أن الناس أدوا حقوقهم لكانوا عائشين بخير"[41]

"خداوند عالم نے اغنیاء کے مال میں فقراء کے لیے اتنی مقدار حصہ متعین فرمایا ہے کہ جو فقراء کے لیے کافی ہے۔ اگر وہ معین مقدار کافی نہ ہوتی تو اللہ تعالی اس مقدار سے زائد متعین فرماتا۔ فقراء کی موجودہ حالت قانونِ الٰہی کے نقص کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان اشخاص کی جانب سے ہے جو ان فقراء کے حقوق کی باقاعدہ ادائیگی نہیں کرتے۔ (اگر وہ اپنے مالی واجبات ادا کرتے) تو یقیناً یہ سب آسائش و آرام کی زندگی بسر کرتے۔"

لیکن اگر یہ لوگ اپنے اس فرض کی ادائیگی سے گریزاں ہوں تو حکمران کی ذمہ داری ہے کہ انہیں اس فرض کی بجاآوری پر مجبور کرے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"بڑے پیمانے پر حکومت اسلامی کو اس امر کا انتظام کرنا چاہیے کہ جو لوگ اپنے اموال پر خود مالکانہ تصرف کے اہل نہ ہوں یا جو دولت کو برے طریقوں سے استعمال کر رہے ہوں ان کی املاک کو وہ اپنے انتظام میں لے لے اور ان کی ضروریات زندگی کا بندوبست کر دے۔"[42]

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ فرمایا کرتے تھے:

"لَوْ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْت لَأَخَذْت فُضُولَ أَمْوَالِ الْأَغْنِيَاءِ فَقَسَّمْتُهَا عَلَى فُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ"[43]

"اگر میرے لیے ممکن ہوتا تو میں امیروں سے ان کا فاضل مال لے کر غرباء ومہاجرین میں تقسیم کر دیتا۔"

جب بھی کوئی معاشرہ معاشی ناہمواری کا شکار ہوتا ہے تو ہمیشہ ارتکازِ دولت کی سوچ اور نظریے نے تقسیم دولت کے اصولوں پر کاری ضرب چلائی ہے۔ اسلام اس مسئلے کو مرحلہ پیدائش میں یعنی ارتکاز کے مرحلے ہی سے روکتا ہے۔ سید قطب لکھتے ہیں:

"اسلام انفرادی ملکیت کو اس قدر وسیع آزادی نہیں دیتا کہ کچھ محدود مالدار لوگ ہی دراصل تمام دولت اور مفادات کو اپنی طرف سرمایہ کے زور سے کھینچ لیں، اور مال چند چوٹی کے لوگوں کے درمیان گردش کرے۔ اس لیے ہر وہ صورت جس میں دولت اُمراء تک محدود ہو جائے وہ اسلامی معیشتِ عدل کے خلاف ہے۔ اسلامی سوسائٹی میں اجتماعی اور معاشی روابط اسی سے تشکیل پاتے ہیں"۔[44]

اسلام کے معاشی قوانین کے مطابق دولت کی تقسیم کو ہر صورت میں وقوع پذیر ہوتے رہنا چاہیے

اور اس کا طریقہ کار بھی عادلانہ اور منصفانہ ہونا چاہیے۔ اگر یوں کہا جائے کہ اسلامی معیشت کی پوری عمارت تقسیم دولت کے عمل کو مستحکم، پائدار اور عادلانہ و منصفانہ بنانے پر رکھی گئی ہے تو بے جا نہیں ہو گا۔ حکیم محمود احمد ظفر لکھتے ہیں:

"اسلام دولت کو چند ہاتھوں میں منجمد اور مرتکز نہیں ہونے دینا چاہتا بلکہ اس کی خواہش یہ ہے کہ دولت پورے معاشرے میں گردش کرتی رہے اور اس کی گردش میں کوئی موانع پیدا نہیں ہونے چاہییں۔ خون اگر سارے بدن میں گردش کرے تو پورا بدن صحت مند رہتا ہے اور اگر جسم کے کسی حصے میں دوران خون رک جائے تو وہ عضو سوکھ جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح دولت کو گردش پورے معاشرے اور پوری سوسائٹی میں ہونی چاہیے اور اگر سوسائٹی کے کسی حصے میں دولت کی گردش رک جائے تو وہ حصہ ایک تو سوسائٹی سے کٹ جائے گا اور دوسرے وہ غریب ہو تا جائے گا"۔[45]

اسلام کے گردشِ دولت کے نظریے کا ہدف معاشرے کے تمام طبقات میں، تمام لوگوں اور تمام افراد تک گردش دولت کے چکر کو پہنچانا اور انہیں مستفید کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی قوانین، دولت کی مسلسل تقسیم اور اس کی گردش کے زبردست داعی ہیں۔ جبکہ سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ ایک طبقے میں جمع ہو کر رہ جاتا ہے اور دیگر طبقات اس سے محروم ہو جاتے ہیں۔[46] اسلام اس فکر کی بھی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"اس مقصد کے حصول کے لیے جن ذرائع کو اسلام میں حرام قرار دیا گیا ہے وہ یہ ہیں: خیانت، رشوت، غصب، بیت المال میں غبن، سرقہ، ناپ تول میں کمی، فحش پھیلانے والے کاروبار، قحبہ گری، شراب اور دوسرے نشہ آور اشیاء صنعت و تجارت، سود، جوا، سٹہ، بیع کے وہ تمام طریقے جو دھوکے یا دباؤ پر مبنی ہوں، یا جن سے جھگڑے اور فساد کو راہ ملتی ہو، یا جو انصاف اور مفادِ عامہ کے خلاف ہوں۔ ان ذرائع کو اسلام از روئے قانون روکتا ہے۔ ان کے علاوہ وہ احتکار کو ممنوع ٹھہراتا ہے اور ایسی اجارہ داریوں کو روکتا ہے جو کسی معقول وجہ کے بغیر دولت اور اسی کی پیدائش کے وسائل سے عام لوگوں کو استفادہ کے مواقع سے محروم کرتی ہوں"۔[47]

اسلام ذخیرہ اندوزی سے روکتا ہے، اور تاجروں کو خرید و فروخت کی اشیاء منڈیوں تک لانے پر

ابھارتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا: "الْجَالِبُ مَرْزُوقٌ، وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُونٌ"[48] "بازار میں سودا لانے والے کو رزق ملتا ہے، جب کہ ذخیرہ اندوز ملعون ہے۔"

معمر بن عبد اللہ سے مروی حدیث نبویؐ میں وارد ہوا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِئٌ"[49] "ذخیرہ اندوزی صرف گناہگار ہی کرتا ہے۔"

حضرت عمر اپنے زمانہ خلافت میں ضرورت سے زائد مال کے مالک لوگوں کو خصوصی تلقین فرمایا کرتے کہ وہ اپنے اس فاضل مال کو ذخیرہ اندوزی اور اس طرح کی دیگر مالی قباحتوں میں ہر گز استعمال نہ ہونے دیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے: "لاَ حُكْرَةَ فِي سُوقِنَا. لاَ يَعْمِدُ رِجَالٌ بِأَيْدِيهِمْ فُضُولٌ مِنْ أَذْهَابٍ، إِلَى رِزْقٍ مِنْ رِزْقِ اللهِ نَزَلَ بِسَاحَتِنَا، فَيَحْتَكِرُونَهُ عَلَيْنَا. وَلَكِنْ أَيُّمَا جَالِبٍ جَلَبَ عَلَى عَمُودِ كَبِدِهِ فِي الشِّتَاءِ، وَالصَّيْفِ. فَذلِكَ ضَيْفُ عُمَرَ. فَلْيَبِعْ كَيْفَ شَاءَ اللهُ. وَلْيُمْسِكْ كَيْفَ شَاءَ اللهُ"[50]
ترجمہ: ہمارے بازار میں کوئی احتکار نہ کرے۔ اور جن لوگوں کے پاس ضرورت سے زائد مال و دولت ہے وہ ہمارے ہاں آنے والے غلے میں سے کسی چیز کو خرید کر ذخیرہ مت کریں۔ اور باہر کے جو لوگ سردیوں میں یا گرمیوں میں طرح طرح کی تکلیف اٹھا کر ہمارے ہاں غلہ لاتے ہیں وہ عمر کے مہمان ہیں۔ پس ان اشیاء میں سے جو ان کا دل چاہے بیچیں اور جو دل چاہے اپنے پاس رکھیں۔

حضرت عمر مقامی تاجروں کو سختی سے ذخیرہ اندوزی سے منع کر کے علاقائی اور ملکی سطح کے تاجروں کو سامانِ تجارت لانے پر اکسارہے ہیں تاکہ سال کے کسی بھی موسم میں اشیاء کی قلت پیدا نہ ہو اور لوگوں کو ذخیرہ اندوزی کا موقع نہ ملے۔

اسلام نے تجارتی اور معاشی سرگرمیوں پر کچھ ایسی پابندیاں عائد کر دی ہیں کہ ان پر عمل کرنے کی صورت میں ذاتی منافع کا محرک ایسے غلط رخ پر نہیں چلتا جو معیشت کو غیر متوازن کرے یا اس سے دوسری اخلاقی یا اجتماعی خرابیاں پیدا ہوں۔ اسلام نے اس ضمن میں دولت کے حصول اور خرچ میں مختلف قسم کی پابندیاں عائد کی ہیں، جن میں سے کچھ تو خدائی پابندیاں یا حلال و حرام کے عنوان سے کچھ ایسی پابندیاں ہیں جو ہر زمانے میں اور ہر جگہ نافذ العمل ہیں۔ مثلاً سود، قمار، سٹہ، اکتناز، احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی اور دوسری بیوع

باطلہ کو اسلام نے کلی طور پر ناجائز قرار دیا ہے۔[51] جس کا مقصد ایک طرف تقسیمِ دولت کے اسباب کو فراہم کرنا جب کہ دوسری طرف عیش پرستی اور ارتکاز دولت جیسے رویوں کو روکنا ہے۔

3۔ تقسیمِ دولت اور ضرورت

تقسیم دولت کے باب میں عموماً ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ عوامل پیدائش میں جب ان کا حصہ تقسیم کیا جاتا ہے تو اگر اس تقسیم کے بعد بھی کسی عاملِ پیدائش کی مجموعی آمدن اس کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کو میسر کرنے کے لیے ناکافی ہو تو اس صورت میں اقتصادی و معاشی نظام اس مسئلے کا حل کیا پیش کرتے ہیں؟ ایسے اشخاص و افراد آیا اپنی محرومی پر ہی صبر کریں یا پھر ان کی ضروریات کو پورا کرنے کو کوئی لائحہ عمل اور طریقہ کار ہو سکتا ہے؟

3.1: اسلامی معاشی نظام میں تقسیم دولت کے باب میں ضرورت کا تصور

اسلام انسان کی فطری ضرورتوں کے عین مطابق تقسیم دولت کا ایک متوازن نظام وضع کرتا ہے۔ اسلامی نظام معیشت میں صرف محنت و عمل ہی نہیں بلکہ ضرورت بھی ایک بڑا درجہ رکھتی ہے اور اسلامی معاشرے میں ان دونوں کی اجتماعی کارگزاری سے نظامِ تقسیم کی تشکیل ہوتی ہے۔ اسلامی نظامِ تقسیم کو تفصیل سے سمجھنے کے لیے معاشرے کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1. وہ لوگ جو فطری صلاحیتوں کی بنا پر اپنی معیشت کے اسباب مہیا کرنے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔
2. وہ لوگ جو قوتِ لایموت کے درجے میں اسباب رکھتے ہیں، اور اس سے زیادہ محنت کرنے کی صلاحیت ان کے اندر نہیں ہے۔
3. وہ لوگ جو بدنی کمزوری یا بیماری کی بنا پر محنت سے عاجز ہیں۔

اسلامی معاشی تعلیمات کے مطابق پہلا گروہ اپنے عمل اور محنت و مشقت کی بنیاد پر اپنا پورا پورا حصہ لے گا اور اپنا نظامِ زندگی خود چلائے گا۔ جبکہ دوسرے گروہ کا نظامِ زندگی کا ایک حصہ اس کی محنت اور عمل کا مرہونِ منت ہو گا اور پھر جو کمی بیشی اس کی زندگی میں ہو گی اس کو قاعدہ ضرورت کے تحت پورا کیا جائے گا۔ تیسرے گروہ کی تمام تر ذمہ داری معاشرے پر عائد ہوتی ہے چونکہ وہ کسی قسم کے کام پر قادر ہیں نہیں۔[52]

یوں اسلام تقسیم دولت میں صرف عمل کا حصہ مقرر نہیں کرتا بلکہ ضرورت کا حصہ بھی رکھتا ہے، جن

کے مال میں یہ حصہ موجود ہوتا ہے ان کو اس کی ادائیگی پر ابھارتا ہے۔ ہر علاقے کے امیر افراد پر اس بات کو فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے فقراء کا خیال رکھیں اور امراء کے طبقہ کو ان غریبوں کی پرورش و نگہداشت کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ پس اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو حاکم انہیں اس فریضے کی بجا آوری پر مجبور کرے گا۔ اور اگر زکاۃ اور مسلمانوں کے دیگر اموال غریبوں اور محتاجوں کی ضروریات کے لیے کافی نہ ہوں تو حاکم ان کے لیے نان و نفقہ، گرمی و سردی کے لیے ضروری اور مناسب لباس اور ایسا مسکن جو ان کو سردی و گرمی اور بارش سے نیز راہگیروں کی نگاہوں سے تحفظ فراہم کر سکے، کا انتظام کرنے کا پابند ہو گا۔[53]

اسلامی نظامِ معیشت کے امتیازات میں سے ایک اہم ترین امتیاز، انسانوں کی حقیقی ضروریات کا مکمل ادراک پورے توازن کے ساتھ رکھنا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر علاقے کے صاحبِ ثروت اپنی فاضل دولت سے تعیشات کی بجائے معاشرے کی فلاح و بہبود کی خاطر محرومین کی نگہداشت پر خرچ کرنی چاہیئے۔ اس مفہوم پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ جس میں حضرت سعید خدری فرماتے ہیں کہ:" بَيْنَمَا نَحْنُ فِي سَفَرٍ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ عَلَى رَاحِلَةٍ لَهُ، قَالَ: فَجَعَلَ يَصْرِفُ بَصَرَهُ يَمِينًا وَشِمَالًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ، فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا ظَهْرَ لَهُ، وَمَنْ كَانَ لَهُ فَضْلٌ مِنْ زَادٍ، فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا زَادَ لَهُ»، قَالَ: فَذَكَرَ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ مَا ذَكَرَ حَتَّى رَأَيْنَا أَنَّهُ لَا حَقَّ لِأَحَدٍ مِنَّا فِي فَضْلٍ" [54]

"ایک دفعہ ہم رسول اللہؐ کے ساتھ سفر میں تھے، کہ اس دوران ایک مسافر اپنی سواری پر سوار آیا۔ کبھی دائیں اور کبھی بائیں دیکھنے لگا۔ تو اس دوران رسول خداؐ نے فرمایا: جس کسی کے پاس اضافی سواری ہے وہ اس کو ایسے فرد کے لیے مہیا کر دے جس کے پاس سواری نہیں۔ اور جس کے پاس اضافی سامان ہے وہ ایسے افراد کو دے دے جن کے پاس سامان نہیں۔ اسی طرح سے آپؐ نے مختلف اشیاء کو گنوا کر ان کی اضافی مقدار حقدار لوگوں کو دینے کا کہا، یہاں تک کہ ہم میں سے کسی کے پاس کچھ اضافی نہیں بچا۔"

اگر صاحبِ ثروت افراد اپنی دولت میں ضرورت مندوں کو شامل کرنا شروع کر دیں تو صرف یہی ایک قدم پوری دنیا کے معاشرتی مسائل کے خاتمے اور معاشی خوشحالی کے لیے کافی ہے۔ چونکہ دنیا کا مسئلہ وسائل کی کمی کا نہیں بلکہ ان کی غیر عادلانہ اور نامنصفانہ تقسیم کا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ:"إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى فَرَضَ عَلَى الْأَغْنِيَاءِ فِي أَمْوَالِهِمْ بِقَدْرِ مَا يَكْفِي فُقَرَاءَهُمْ، فَإِنْ جَاعُوا أَوْ عَرُوا وَجَهَدُوا

فَمَنَعَ الْأَغْنِيَاءُ، وَحَقٌّ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى أَنْ يُحَاسِبَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَيُعَذِّبَهُمْ عَلَيْهِ"[55] "اللہ تعالی نے اغنیاء کے مال میں اس قدر حق فرض قرار دیا ہے کہ جو فقراء کی ضروریات کے لیے کافی ہے۔ پس اگر فقراء بھوکے یا ننگے ہوں یا تنگدستی میں ہوں اور ان حالات میں امیر لوگ اپنے مال سے ان کا وہ حق ادا نہ کریں جو اللہ نے مقرر کر رکھا ہے تو پروردگار کا قیامت کے دن ان سے محاسبہ کرنا گا اور انہیں عذاب دینا دے گا۔"

3.2: سرمایہ دارانہ نظام میں ضرورت کا تصور

سرمایہ دارانہ نظام میں تقسیمِ دولت کا اتناہی ذکر ہے کہ جتنا عواملِ پیداوار کا پیداوار کے حصول میں کردار ہوتا ہے، یعنی وہ دولت کو ایک ہی دفعہ تقسیم کے عمل سے گزارتا ہے اور یہ وہ وقت ہوتا ہے جب پیداوار حاصل ہونے کے بعد عاملین کے حصے کے مطابق ان میں پیداوار کو تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ البتہ ہر ایک عاملِ کا حصہ مارکیٹ معین کرتی ہے، اور مارکیٹ کو اس بات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ کسی بھی عامل کا مقرر کردہ حصہ اس کی ضروریاتِ زندگی کے لیے کافی ہے یا نہیں، بلکہ مارکیٹ تو یہ چاہتی ہے کہ آجر کے علاوہ باقی تینوں عواملِ پیدائش کو کم سے کم حصہ ادا کرنا پڑے تاکہ آجر کے منافع میں اضافہ ہو اور وہ مزید معاشی سرگرمیاں انجام دے۔ یوں اس کی نظر فرد پر تو ہے لیکن اجتماع اور معاشرے پر نہیں۔ گویا کہ سرمایہ داری کو تقسیم دولت کے سلسلے میں لوگوں کی ضرورت سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام ضرورت کے بارے میں بات نہیں کرتا اور نہ ہی ضرورت کو تقسیم میں دخیل جانتا ہے۔ باقر الصدر لکھتے ہیں: "سرمایہ دارنہ اقتصادیات میں تقسیمِ ثروت میں ضرورت کو کوئی مرتبہ نہیں دیا جاتا۔ اس کے یہاں ضرورت کی زیادتی مزید محرومی کا سبب بن جاتی ہے، یہاں تک کہ اکثر افراد تقسیم کے میدان سے الگ کر دیے جاتے ہیں، اور ہلاکت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں۔ اس کا راز یہ ہے کہ ضروریاتِ زندگی کی زیادتی کے ساتھ سرمایہ دار بازار میں کاریگروں اور مزدورون کی زیادتی ہو جاتی ہے اور چونکہ مزدور عام جنس کے بھاؤ بکتے ہیں اس لیے جنس کی زیادتی سے کم قیمت ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ بازار کو جنس کی ضرورت نہیں رہتی تو اکثر صاحبانِ ضرورت بیکاری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اب یہ لوگ یا تو محالات کو ممکن بنائیں گے یا پھر موت کی آغوش میں آرام کریں گے۔ اس نظام میں ضرورت کوئی شے نہیں ہے"۔[56]

سرمایہ دارنہ نظام اگرچہ معاشی آزادی اور ذاتی منافع کے محرک کے نام پر قائم ہونے والا ایسا معاشی نظام ہے جس کی عالم گیر پہنچ سے انکار نہیں اور جو فطری اصولوں پر مبنی ایک آفاقی نظام ہونے کا دعوے دار تو ہے لیکن اس سے مطابقت اختیار کرنا اور پسندیدگی پیدا کرنا قابلِ بحث ہے۔ اس کے سیاسی و ثقافتی پہلو اور اس کے معاشی اصولوں کے درمیان عدم موافقت بھی قابل بحث ہے۔ عملاً یہ اپنے مخصوص حالات میں ہی اقتصادی ترقی کو قبول کرتا ہے۔ اس کو اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ کسی کی کیا ضروریات اور حاجت ہیں۔ جان گرے اپنی کتاب "سرمایہ دارانہ نظام کی فریب کاریاں" میں لکھتے ہیں کہ "سرمایہ دارنہ نظام دنیا کی بہت ساری تہذیبوں کو یہ اجازت بھی نہیں دیتا کہ وہ اپنی تاریخ، حالات اور مخصوص ضروریات کے مطابق جدیدیت کی منزل حاصل کر سکیں"۔[57]

تو یوں 'ذاتی مفاد' ایک قوت بن گئی۔ خواہشات کو پورا کرنے کا جذبہ معاشرے کی بنیادی قدر قرار پا گیا۔ ریاست کا کردار صرف ایسے حالات پیدا کرنے تک محدود کر دیا گیا جس میں یہ نظام اچھے طریقے سے چل سکے۔ عدم مداخلت کو ریاست کے اندر اور عالم گیر سطح پر ایک رہنما اصول کے طور پر اختیار کیا گیا۔ اس نظام کے نتیجے میں صنعتی و کاروباری سرمایہ داروں اور حکمرانوں کے درمیان ایک مضبوط اتحاد وجود میں آچکا ہے۔ جس کی وجہ سے امیر لوگ امیر سے امیر تر جب کہ غرباء و مساکین غریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔

4۔ تقسیمِ دولت اور تربیت

انسان کے اندر پایا جانے والا حبِ ذات کا غریضہ اپنے لیے زیادہ سے زیادہ سہولیات، آسائشات اور مال و دولت اکٹھا کرنے کا داعی ہوتا ہے۔ اس کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اپنے لیے زیادہ مقدار میں دولت سمیٹ سکے۔ ایسے حالات میں اس کے پاس دولت کے انجماد کو روکنے اور دولت کے بہاؤ کو فردِ واحد کی طرف موڑنے کی بجائے معاشرے کی سمت میں قائم رکھنے کے لیے اس کی اقتصادی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ وہ حبِ ذات کے دائرے اور مقام سے خود کو بلند کر کے دولت و ثروت کو انسانیت کی خدمت اور معاشرے کی بھلائی کے لیے صرف کر سکے۔ کس نظام میں تقسیمِ دولت کے حوالے سے کس طرح کی تربیت موجود ہے ذیل میں اس کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

4.1: سرمایہ دارانہ نظام اور معاشی تربیت کا فقدان

سرمایہ دارنہ نظام میں انفرادیت کا قانون، معاشی و اقتصادی تربیت سے یکسر عاری اور خالی ہیں۔ سرمایہ دارنہ نظریہ یہ ہے کہ ہر شعبہ زندگی میں انفرادیت پسندی اور آزادی عمل کا قانون برقرار رہے۔ چنانچہ سیاست، معاشرت، تہذیب و ثقافت میں انفرادی آزادی کے ساتھ معیشت میں بھی فرد کی معاشی آزادی، صارف کی حکمرانی، حکومت کی عدم مداخلت کے تصور کے تحت شخصی آزادی اور ذاتی نفع کے حصول کی حوصلہ افزائی کا سلسلہ شروع ہوا۔ جس میں ہر شخص آزاد ہے کہ جس طرح کی چاہے معیشت اختیار کرے، اس کی طرف سے معاشرے یا مذہب واخلاق کی طرف سے کوئی پابندی نہیں ہوگی اور نہ اس کے معاشی معاملات میں حکومت وریاست مداخلت کرے گی۔

سرمایہ دارانہ انفرادیت کے مطابق انسان کسی کا غلام نہیں بلکہ آزاد ہے، آزاد ان معنوں میں کہ وہ جو چاہے کرے محدود خواہشات کی تکمیل کے لیے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ سرمایہ ہی وہ بنیادی عنصر ہے جس کے ذریعے دُنیاوی فوائد وقوع پذیر ہوسکتے ہیں۔ اسی لیے سرمایہ دار انسان کی ساری تگ ودو کا محور محض سرمائے کا حصول ہوتا ہے۔[58]

مغرب کے کئی روشن خیال مفکرین بھی اس نقطۂ نظر کے حامی ہیں کہ سرمایہ دارنہ نظام ذاتی مفاد سے آگے نہیں بڑھ سکا ہے، حالانکہ اس میں بہت سارے مسائل فوری حل طلب ہیں۔ پروفیسر لیسٹر تھرو کے مطابق: "نظام سرمایہ داری کے حقیقی مسائل بالکل واضح ہیں: یعنی عدم استحکام، ناہمواریوں میں اضافہ اور مزدور طبقے کی بدحالی جیسے مسائل ابھی تک حل طلب ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ کچھ نئے مسائل بھی ہیں جیسے نظام سرمایہ داری کا انسانی وسائل پر حد سے زیادہ انحصار اور انسانی ذہنی قوتوں کو بروے کار لاکر وجود میں آنے والی صنعتیں وغیرہ"۔[59]

سرمایہ دارنہ نظام بنیادی طور پر دولت کے صرف وخرچ (Consumption) پر نظر رکھتا ہے، لہذا اب اگر صرف کرنا زندگی کا مقصد ہو اور زیادہ سے زیادہ لذت حاصل کرنا زندگی کا ہدف قرار پائے تو جس اخلاقیات کو اس فلسفے کی بنیاد بنانا پڑے گا وہ حرص و حسد کی اخلاقیات ہوگیاس اخلاقیات کا سرمایہ دارانہ نظام مسابقت (Competition) اور بڑھوتری برائے بڑھوتری (Accumulation) ہے۔ حرص کا مطلب بڑھوتری

برائے بڑھوتری ہے اور حسد کا مطلب مسابقت ہے۔ تو سرمایہ دارانہ معاشرے کی سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ حرص اور حسد عالمگیر ہوں ہر آدمی حرص و حسد کا بندہ بن جائے۔[60]

اس حقیقت کو کھلے دل سے تسلیم کیا جائے کہ معیشت و اقتصاد جتنی بھی ترقی کرتے جائیں معاشرہ صرف مادی فلسفے کے بل بوتے پر نہیں چل سکتا اور نہ ہی اخلاقیات سے مبرا نہیں ہو سکتا ہے، بلکہ معاشیات میں جوں جوں ترقی ہو گی اسی قدر متانت و اخلاق کی ضرورت مزید شدت اختیار کرتی جائے گی۔

4.2: اسلامی معاشی نظام اور معاشی و اقتصادی تربیت

اسلامی تصورِ مال و دولت درج ذیل نکات پر مشتمل ہے، جن میں تربیتی و اخلاقی پہلو ہر ایک چیز پر حاوی ہے۔

1۔ اسلامی معاشی نظام مساوات پر مشتمل ایک ایسا نظام ہے جس میں تمام اشیاء کی حقیقی ملکیت صرف اللہ کے لیے ہے۔ لوگوں کے پاس جو مال ہے، اسے وہ اللہ کی امانت قرار دیتا ہے، اللہ تعالی نے انہیں اس مال میں عارضی اور محدود و مشروط مالکانہ حقوق دیے ہیں جن کی رعایت کرنا انسان پر لازم قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: "وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ"[61] "اور جو نعمتیں تم کو میسر ہیں سب خدا کی طرف سے ہیں۔"

مولانا مودودی لکھتے ہیں: "اللہ کی بندگی صرف ایک محدود مذہبی دائرے ہی میں نہیں ہونی چاہیے بلکہ تمدن، معاشرت، معیشت، سیاست غرض زندگی کے تمام شعبوں میں ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ دنیا میں انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے اللہ کا ہے اور انسان کسی چیز پر بھی اللہ کی مرضی سے آزاد ہو کر خود مختارانہ تصرف کرنے کا حق نہیں رکھتا۔"[62]

2۔ اسلام کی نظر میں مال و دولت فی حد ذاتہ نہ تو خیرِ مطلق ہے اور نہ ہی مطلقاً شر، بلکہ پروردگار نے مال و دولت کو ان دو چیزوں میں سے ایک قرار دیا ہے جو دنیاوی زندگی کی زینت ہوتے ہیں۔ ارشاد پروردگار ہے:

"الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا"[63]

" مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی (رونق و) زینت ہیں۔"

3۔ مال کو انسان کی عارضی ملکیت میں دے دینا در حقیقت اس کا امتحان و اختبار ہے کہ اگر اس کو اس پر اختیار دے دیا جائے تو وہ اس پر کس قسم کا تصرف کرے گا۔ پس مال و دولت کو شریعت مقدسہ کے دیے گئے دستور کے مطابق حاصل کرنا اور صرف کرنا اس آزمائش اور امتحان میں کامیابی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

"وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ" [64]

"اور جان رکھو کہ تمہارا مال اور اولاد بڑی آزمائش ہے اور یہ کہ خدا کے پاس (نیکیوں کا) بڑا ثواب ہے۔"

4۔ مال بذات خود غرض و غایت نہیں بلکہ مال ہمیشہ ایک مقصد اور ہدف کے راستے میں وسیلے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اگر یہ اچھائی کے راستے میں استعمال ہو تو پھر خیر ہی خیر اور اگر برائی کے لیے استعمال ہو تو سراپا شر ہے۔ مال در حقیقت اس اسلحے کی مانند ہے کہ جو اگر قاتل کے ہاتھ میں ہو تو بے گناہ لوگوں کے قتل کا سبب بنتا ہے اور اگر مجاہد کے ہاتھ میں ہو تو پھر مسلمانوں کی عزت، نفس، وطن اور آبرو کے دفاع جیسے مقدس کام میں استعمال ہوتا ہے۔ پروردگار نے مال کے یہ دونوں پہلو قرآن مجید میں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ وَأَمَّا مَن بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ" [65]

" تو جس نے (خدا کے رستے میں مال) دیا اور پرہیز گاری کی۔ اور نیک بات کو سچ جانا۔ اس کو ہم آسان طریقے کی توفیق دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا۔ اور نیک بات کو جھوٹ سمجھا۔ اسے سختی میں پہنچائیں گے۔ اور جب وہ (دوزخ کے گڑھے میں) گرے گا تو اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا۔"

5۔ شریعت مقدسہ میں لوگوں کو ان کے ذاتی مال میں بھی دو شرطوں کے ساتھ استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ پہلی شرط یہ کہ اسراف نہ کیا جائے اور دوسری یہ کہ تبذیر سے اجتناب کیا جائے۔ اسراف اور تبذیر کے معنی اور ان میں پائے جانے والے باہمی فرق کے بارے میں علامہ ماوردی لکھتے ہیں: "بأن الإسراف تجاوز في الكمية وهو جهل بمقادير الحقوق والتبذير تجاوز في موقع الحق وهو جهل بالكيفية وبمواقعها وكلاهما مذموم والثاني أدخل في الذم" [66]

"کمیت یعنی خرچ کی مقدار میں حدود سے تجاوز کرنا اسراف کہلاتا ہے۔ اور یہ ان مالی حقوق کی مقدار سے جہالت کے مترادف ہے جو کسی بھی شخص پر عائد ہوتے ہیں۔ جب کہ کیفیتِ صرف یعنی صرف و خرچ کے اجازت دیے گئے مواقع سے تجاوز کر کے ان چیزوں پر خرچ کرنا جو شرعاً جائز نہیں ہیں، تبذیر کہلاتا ہے۔ اور یہ صحیح اور جائز مقامات صرف و خرچ سے جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہ دونوں کام مذموم ہیں البتہ دوسرا یعنی تبذیر زیادہ قابل مذمت ہے۔"

یعنی مال و دولت کے صرف و خرچ کے حوالے سے اسلامی نکتہ نظر یہ ہے کہ اپنے مال و دولت کو لایعنی اور بے مقصد کاموں میں اڑا کر فضول میں ضائع کیا جائے اور نہ ہی دنیا کی حرص و لالچ میں مبتلا ہو کر پیسے کا بندہ بن جانا اور مال پر مال اکٹھا کرنا ٹھیک ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ معاشیات میں اخلاقیات اور روحانیت اور تربیت کے پہلو کو شامل کیے بغیر معاشی حالت کی بہتری اور اصلاحات ممکن نہیں ہیں۔

نتائجِ بحث

اسلامی معاشی اصولوں کے مطابق دولت تسلسل کے ساتھ گردش میں رہنا چاہیے اور اس کی گردش میں حائل تمام رکاوٹوں اور موانع کو برطرف ہونا چاہیے۔ گردشِ دولت کے تمام اقدامات کو عمل میں لانا چاہیے تاکہ وسائل و ذرائع کسی ایک خاص طبقے کی دسترس تک محدود نہ رہیں بلکہ اس کی گردش کا دائرہ کار تمام طبقات کو شامل رہے۔ اسلام کا نظامِ زکوۃ و خمس و عشر، اس کا سلسلہ ایثار و انفاق، قانونِ میراث، اعتدال و اقتصاد کا حکم ، اس کا تقسیم دولت کا اصول اور ارتکازِ دولت کی ممانعت کا حکم غرضیکہ اسلامی معاشیات کے ہر اصول و قانون کا مرکزی نکتہ گردشِ دولت کے ذریعے وسائل و ذرائع کو معاشرے کے ہر فرد کی دسترس تک لانا ہے۔

اسلام فقط دولت کی تقسیم و گردشِ دولت کا ہی حامی نہیں بلکہ اس عمل کے طریقہ کار کے عادلانہ اور منصفانہ ہونے اور اس کے ثمرات ہر شخص اور ہر طبقے تک پہنچنے کا قائل بھی ہے۔ اس کا مطمعِ نظر یہ ہے کہ دولت پورے معاشرے میں گردش کرتی رہے اور ہر فرد کے ہاتھ تک اس کا حق پہنچے اور دولت کا ایک جگہ ارتکاز نہ ہو۔ اسلام نے اگرچہ شخصی ملکیت کا حق دیا ہے، مگر وسائلِ معیشت پر ایسے قیود عائد کر دیئے ہیں کہ جس سے بے قید سرمایہ داری کا انسداد اور اُس سے پیدا ہونے والے مفاسد کا تدارک ہو سکے، چنانچہ جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی تفریق قائم کر کے دولت کو متوازن حد سے آگے نہیں بڑھنے دیا۔ لہذا اسلامی معاشی اصولوں کے مطابق حلال ذرائع سے کمایا ہوا مال بھی جب ضرورت سے زائد ہو جائے تو اس میں دیگر متعلقین کا حق بھی موجود ہوتا ہے جو ان تک پہنچانا صاحبِ مال کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ پس صاحبانِ ثروت کا غریبوں پر انفاق کرنا ازراہِ احسان و منت نہیں ہے بلکہ اپنے فاضل مال میں سے ایک خاص مقرر کردہ نصاب کے مطابق ادائیگی نہ کرنے تک وہ محرومین و مستحقین کے مقروض رہتے ہیں۔

حواشی

[1] صدر، محمد باقر، اقتصادنا، محمد علی فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 1/332

[2] Encyclopedia Britannica, 1964,Vol.9, pp.839-845

[3] Andrew S. Zimbalist, Howard J. Sherman, Stuart Brown Harcourt Brace Jovanovich, Comparing Economic Systems, Harcourt College Publications,1989, p.6-7

[4] Alfred Marshall, Elements of Economics of Industry, , Cosimo Classic, New York, 2006, Book4, chapter 11, p. 88

[5] عثمانی، محمد تقی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، مکتبہ معارف القرآن، طبع 2003، کراچی، ص:48،47

[6] Joginder Singh, Dictionary Of Economics, Vishbharti Publications, New Delhi,2004, p.261

[7] محمد آصف محسنی، اسلامی اقتصاد، ص:77

[8] A.N Agarwala, Introduction to Economic Principles, p.354

[9] Milton H Spencer, Orley M.Amos, Contemporary Economics, Worth Publishers, New York, 1993, p.21-23

[10] Willian J.Baumol & Alan S.Blinder, Economics, Principles and Policy, Cengage Learning, USA, 2015, p.507-511

[11] محمد طاسین، اسلام اور سرمایہ داری، دونوں میں بنیادی فرق، مشمولہ کتاب "نام نہاد اسلامی بینکاری"، جامعہ عربیہ احسن العلوم، کراچی، 2014ء، ص43

[12] Roy J. Ruffin, Paul R. Gregory, Principles of Macroeconomics, Foresman & Company, Dallas, 1983, p.45

[13] اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص:47, مفتی محمد تقی عثمانی

[14] محمد ایوب (سابق سینئیر جوائنٹ ڈائریکٹر بینک دولت پاکسان)، اسلامی بینکاری اور مالکاری نظام کا اجمالی خاکہ اور پاکستان میں اس کا نفاذ
http://www.sbp.org.pk/departments/ibd/Islamic%20Bankari%20Nizam%20Ka%20Khakah.pdf

[15] اسلامی معاشی قوانین کے مطابق سرمایہ دار پیداوار میں حصہ دار بن سکتا ہے بشر طیکہ نفع و نقصان ہر دو میں شریک ہو۔ اسلام کے مطابق سرمائے کے بدلے میں پہلے سے طے شدہ منافع یعنی سود لینا حرام ہے۔

[16] اسلام دیگر پیداواری عوامل کی نسبت محنت کو زیادہ فائدہ مند اور ثمر آور سمجھتا ہے، اور دوسرے تمام نظامہائے اقتصاد کی نسبت اسلام نے محنت کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ محنت کرنے والا فرد طے شدہ منافع یعنی اجرت حاصل کرتا ہے۔ محنت کرنے والا فرد تجارت، صنعت اور زراعت کے منافع میں شریک ہو سکتا ہے، جیسے کوئی کمپنی کسی درزی کو دس ہزار روپے ماہانہ پر ملازم رکھے اور ہر سوٹ سلائی کرنے پر بیس روپے بھی ادا کرے۔

[17] شفیع، مفتی محمد، اسلام کا نظامِ تقسیمِ دولت، دارالاشاعت کراچی، ص:21-22

[18] النسائی، احمد ابن شعیب، السنن النسائی، مکتبہ مطبوعات الاسلامیہ، حلب، 1406ھ، 7/31

[19] مسلم ابن حجاج، صحیح مسلم، دار احیاء التراث العربی، بیروت، باب تحریم مطل الغنی، 3/1197

[20] البیہقی، احمد ابن الحسین، السنن الکبری للبیہقی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1424ھ، 6/199

[21] بخاری، محمد ابن اسماعیل، صحیح بخاری، باب اثم من منع اجر الاجیر، دار طوق النجاۃ، 1422ھ، 3/90

[22] انصاری، جاوید اکبر، سرمایہ دارانہ نظام-ایک تعارف، کتاب محل، 2016، ص:22

[2323] محمد باقر صدر، آج کا انسان اور اجتماعی مشکلات، ص:۲۶

[24]Jonathan David Ostry, Andrew Berg , Inequality and Unsustainable Growth: Two sides of the Same Coin?, International Monetary Fund, April 8, 2011 https://www.imf.org/external/pubs/ft/sdn/2011/sdn1108.pdf

[25]Adam Smith, An Inquiry Into the Nature and Causes of the Wealth of Nations Lincoln & Gleason Printers, 1804, Volume 2, p.296

[26] Ibid

[27] Grace Moore, Dickens and Empire: Discourses of Class, Race and Colonialism in the Works of Charles Dickens, Hampshire, Ashgate Publishing, 2004, p.82

[28] افغانی، شمس الحق، سرمایہ دانہ واشترا کی نظام کا اسلامی معاشی نظام سے موازنہ، مکتبۃ الحسن، لاہور، ص:29،28

[29] https://www.economist.com/special-report/2012/10/13/for-richer-for-poorer

[30]"Global income inequality by the numbers: in history and now " Milanovic, Branko,(The World Bank.) , Global Policy Volume 4 . Issue 2 . May 2013 Retrieved from http://documents.worldbank.org/curated/en/959251468176687085/Global-income-inequality-by-the-numbers-in-history-and-now-an-overview

[31] https://www.economist.com/finance-and-economics/2012/12/15/to-each-not-according-to-his-needs

[32] "The End of Bank Secrecy? An Evaluation of the G20 Tax Haven Crackdown," Johannesen, Niels, and Gabriel Zucman, American Economic Journal: Economic Policy,2014, 6(1), pg.65–91.

[33] " A Wealth of Opportunities in Turbulent Times" Global Wealth Report, The Boston Consulting group, September 2008.

[34] Winner Take All Politics, Paul Pierson & Jacob Hacker, Paperback, March 2011

[35] سورۃ الاسراء: 16/15

[36] محمد آصف محسنی، اسلامی اقتصاد، ص:27

[37] احمد ابن الحسن بیہقی، سنن بیہقی، جامع الدراسات الاسلامیہ، کراچی، ج:10، ص:355

[38] احمد ابن حنبل، مسند احمد ابن حنبل، موسسۃ الرسالہ، 36، 2001/420

[39] عسقلانی، احمد بن علی بن حجر، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، مکتبۃ الملک فہد الوطنیۃ، طبع اولی 1421ھ، 10/298

[40] شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، 2/163

[41] عاملی، محمد بن حسن، وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعۃ، مؤسسۃ آل البیت لإحیاء التراث، قم، طبع اولی 1998، حدیث رقم 11388، 9/10

[42] مودودی، ابو الاعلی، معاشیات اسلام، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، 2013، ص:182

[43] طبری، محمد ابن جریر، تاریخ الرسل والملوک (المعروف بہ تاریخ الطبري)، دار التراث، بیروت، طبع ثانیہ 1387ھ، 4/226

[44] سید قطب، فی ظلال القرآن،، 6/135

[45] حکیم محمود احمد ظفر، معیشت و اقتصاد کا اسلامی تصور، ص:95

[46] حسین مظاہری، اقتصادی نظاموں کا تقابلی جائزہ، امامیہ پبلی کیشنز، لاہور، 1/38

[47] ابو الاعلیٰ مودودی، معاشیات اسلام، ص122

[48] الدارمی، عبد اللہ ابن عبد الرحمن، مسند دارمی المعروف بسنن الدارمی، دار المغنی للنشر والتوزیع، السعودیۃ، طبع اولی 2000، کتاب البیوع، باب فی النہی عن الاحتکار، 3/1657

[49] مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب تحریم الاحتکار فی الاقوات، رقم حدیث 1605،3/1228

[50] مالک ابن انس بن مالک، الموطا، موسسہ زید بن سلطان آل نہیان للاعمال الخیریہ والانسانیہ، ابوظبی، الامارات، طبع اولی 2004، کتاب البیوع، باب الحکرۃ والتربص، 4/942

[51] تقی عثمانی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص:40

[52] باقر الصدر، اسلامی اقتصادیات اور جدید مکاتب، ص396

[53] ابن حزم، علی بن احمد الاندلسی ،المحلی بالآثار، دار الفکر، بیروت،طبع ندارد ،مسئلہ 725 ،281/4

[54] مسلم بن حجاج،صحیح مسلم،کتاب اللقطة،باب استحباب المواساة بفضول المال،حدیث رقم1728 ،1354/3

[55] ابن حزم، المحلی بالآثار، مسئلہ 4،725/282

[56] صدر، محمد باقر، اسلامی اقتصادیات اور جدید مکاتب، سازمانِ تبلیغاتِ اسلامی، قم، طبع ندارد، ص399،398

[57] John Gray, False Down: The Delusions of Global Capitalism, London,1998, p.20

[58] محمد احمد حافظ، سرمایہ دارانہ نظام کی شرعی حیثیت، مشمولہ "اسلام یا جمہوریت"، کتاب محل، 2016، ص۷۷،۷۶

[59] Lester C. Thurow , Nicholas Barclay, The Future of Capitalism, London 1996, p.326,327

[60] انصاری، جاوید اکبر، سرمایہ دارانہ نظام-ایک تعارف، ص:23

[61] النحل:53

[62] مودودی ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، ترجمان القرآن، لاہور، 2/361

[63] الکہف:46

[64] الانفال:28

[65] اللیل:5 تا 11

[66] آلوسی، محمود بن عبد اللہ، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی،، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع اولی 1425ھ، 8/62